ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

اختر علی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، ڈاکٹر خان شہید گورنمنٹ ڈگری کالج کبل سوات
ڈاکٹر انور علی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
حمزہ خورشید
طالب علم (بی۔ایس اردو)، شعبۂ اردو، ڈاکٹر خان شہید گورنمنٹ ڈگری کالج کبل سوات

جونؔ ایلیا کی شاعری میں فلسفۂ جبر و قدر

Akhtar Ali
Assistant Professor Department of Urdu, Dr. Khan Shaheed Govt: Degree College Kabal Swat
Dr. Anwar Ali
Assistant Professor Department of Urdu, Islamia College University, Peshawar
Hamza Khurshed
Student (B.S Urdu) Department of Urdu, Dr. Khan Shaheed, Govt: Degree College Kabal Swa

Philosophy of Oppression and destiny in Jon Elia's Poetry

(Abstract)
Oppression and destiny has been an important branch of philosophy and a popular and well known subject of literature. It is related to metaphysical philosophy by nature. Like philosophy, literature has also been interested in metaphysics from the beginning and this tradition continues till now. Like the literature of other languages, Urdu poets and prose writers have also given place to the problems of oppression and destiny in their works. After Iqbal in Urdu poetry, Jon Elia gave special attention to this aspect and gave this subject a central position in his poetry. Jon Elia was a man rather a poet of philosophical thoughts because from his childhood he used to study logic and philosophy. This article analyzes Jon Elia's thoughts about Oppression and destiny.

Key Words: *Philosophy of Oppression, destiny, Jon Elia's poetry, Philosophy, Urdu, childhood.*

ازل سے انسان سوچ وبچار میں مبتلا ہے جو اسے عرش کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے اور بسا اوقات اسے ان بلندیوں سے زمین پر منہ کے بل بھی گرا دیتی ہے۔ یہ سوچ سرمایہ زندگی بھی ثابت ہوتی ہے اور زندگی کو برباد بھی کرتی ہے۔ انسان کو راحت بھی بخشتی ہے اور اسے تکلیف سے بھی دوچار کرتی ہے۔ یہی سوچ انسان کو ولی بھی بنا دیتی ہے اور دہریہ بھی۔ اسی سوچ کے زیر اثر فلسفہ جبر وقدر پر کافی بحثیں ہوئی ہیں۔ انسان جب گہرائی کے ساتھ سوچتا ہے تو اس پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ کیا میں مختار ہوں؟ کیا ہماری زندگی ہمارے بس میں ہے؟ تقدیر نامی چیز واقعی موجود ہے؟ کیا صحت و بیماری ہمارے ہاتھ میں ہے؟ کیا انسان اپنے ارادے اور مشیت میں آزاد ہے؟ یہیں سے فلسفہ جبر و قدر کا آغاز ہوتا ہے۔ اس فلسفے کے وجود میں آنے کے لیے مولانا ابوالاعلی مودودی نے چند سوالات کا تذکرہ کیا ہے:

”۱۔ کیا انسان اپنے اعمال میں بالکل مجبور ہے یا کسی حد تک اس کو آزادی بھی حاصل ہے؟

۲۔ انسان کو مجبور کرنے والی یا اس کو آزاد کرنے والی طاقت کون سی ہے اور اس کے اثرات انسان کی زندگی پر کس حد تک ہیں؟

۳۔ اگر انسان پابند یا مجبور ہے تو اعمال کی ذمہ داری و جواب دہی اور ان کی مدح و ذم یا جزا و سزا کے استحقاق کا قاعدہ؛ جس پر ہمارے تصورات مبنی ہیں اور جو ہمارے نظام اجتماعی اصلاح وفلاح کا ضامن ہے، کس اساس پر قائم ہوگا۔؟“[۱]

انہی سوالات کے جوابات تلاشنے کے لیے فلسفیوں میں دو بڑے گروہ سامنے آئے جبریہ اور قدریہ۔ اسی کے زیر اثر دونوں نے دلائل پیش کیے اور اپنی بات منوانے کے لیے بحث ومباحثے کیے۔

جبر وقدر کو فلسفے میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ فلسفیوں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ ان فلسفیوں نے انسان کے افعال واعمال پر غور کیا اور چند سوالات اٹھائے کہ آیا انسان اپنے اعمال میں مختار ہے اور اس پر ان اعمال کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ کیا انسان کو اپنے اعمال وافعال پر دسترس حاصل ہے کہ جب اور جس وقت چاہے اس سے کسی فعل کا صدور ہو جائے؛ یا انسان کی زندگی کے واقعات پہلے ہی سے متعین کر دیے گئے ہیں اور انسان محض ایک کٹھ پتلی ہے اور بالکل مجبور محض ہے؟ یہاں فلسفیوں نے اس بات پر زیادہ توجہ دی ہے کہ انسان اسیر جبر ہے یا صاحب اختیار ہے۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

چوں کہ ادب معاشرے کا عکاس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ دیگر معاشرتی مسائل و موضوعات کی طرح فلسفہ جبر وقدر بھی ادب کا ناگزیر موضوع رہا ہے۔ ادب جس طرح انسان اور سماج کے پوشیدہ اور عیاں پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے اس طرح اس نے فلسفہ جبر وقدر پر بھی روشنی ڈالی اور اپنے وجود کے بے کراں سمندر میں اس بہتے ہوئے دریا کو سمویا۔ پھر جب ہم شاعری کو دیکھتے ہیں تو شاعری میں واضح طور پر جبر وقدر کے آثار تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

فسلفہ جبر وقدر دورِ انتشار کی پیداوار ہے۔ تیرھویں صدی میں تاتاریوں کی بربریت نے اسلامی دنیا کو تاراج کر دیا۔ یہ اسلامی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان تھا۔ یہ دور اسلامی دنیا میں تاریک ترین دور تھا۔ مسلمان بے بسی وناامیدی کا شکار تھے۔ یہی وہ دور تھا جب مولانا رومی نے اپنے توانا اور امید بخش افکار کے ذریعے ناامیدی و بے بسی کی حالت سے نکلنے میں مسلمانوں کی مدد کی۔ ان کا فلسفہ پوری زندگی پر مشتمل تھا۔ دیگر فلسفیوں کی طرح انھوں نے بھی جبر وقدر کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی جو اس خاص دور میں انتشار کا باعث بن رہا تھا۔

مولانا رومی نے تقدیر کو آئینِ زیست کے نام سے تعبیر کیا اور قدرت کے دائمی اور اٹل قوانین کے زیرِ سایہ انسانی قوت عمل اور استعداد کی اہمیت پر زور دیا۔ انھوں نے انسان کو مختار قرار دیا۔ مولانا روم کا خیال ہے کہ انسان کو اختیار کی قوت اور طاقت سے نوازا گیا ہے اور اس کے تحت وہ اپنی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے اور زندگی کو بہتر بنانے کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں سزا و جزا کا حکم ہی اس لیے ہے کہ انسان مختار ہے نہ کہ مجبور محض:

اینکہ فردا آبی کم یا ایں کم
این دلیل، اختنا است اے صنم (۲)
جملہ قرآن امر و نہی است وعید
امر گردن سنگ مرمر را کہ دید؟ (۳)

فارسی شاعری کا ایک بڑا حصہ متصوفانہ شاعری پر مشتمل ہے جس میں وحدۃ الوجود کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی شاعری میں جبر یہ رجحان اور میلان حاوی نظر آتا ہے۔

فارسی کے مشہور شاعر محمود شبستری نے جبر یہ عقیدہ اپنایا تھا اور وہ سخت ترین جبریت کا شکار تھا۔ ان کا یہ نقطہ نظر انسان کو ایک بے بس اور مجبورِ محض ہستی بنا کر پیش کرتا ہے۔ وہ اختیار کی بات کو جہالت گردانتا ہے:

تو میگوئی مرا ہم اختیار است
تنِ من مرکب و جانم سوار است[۴]
مرا افعال رانسبت مجاز است
نسب خو درد حقیقت لہو با زیست[۵]

فارسی شاعری کی طرح اردو شاعری میں بھی فلسفہ جبر وقدر موضوع بحث رہا۔ میر تقی میرؔ کے ہاں بھی اس فلسفہ پر بحث موجود ہے۔ پھر خواجہ میر دردؔ جو اردو کے متصوفانہ شاعری کا امام ہے؛ اس نے بھی اس موضوع پر بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر شعرا کے ہاں بھی یہ مسئلہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا لیکن اردو شاعری میں کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے اس مسئلے کو ایک الگ، جداگانہ اور باعدہ طور پر موضوعِ بحث بنایا ہو۔ لیکن جب اردو شاعری کے افق پر علامہ اقبال رونما ہوتا ہے تو یہ موضوع شاعری کے اُفق پر طلوع ہو جاتا ہے۔ اقبالؔ نے اس مسئلے کو باقاعدہ اور شعوری طور پر اپنی شاعری میں پیش کیا ہے اور اپنے ذہن کی جولاں گاہوں سے جبر وقدر کے مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کی اور اپنا ایک نظریہ پیش کیا۔ اس نے اس طرف خاص توجہ دی اور روائتی انداز سے ہٹ کر اس مسئلے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ اس نے قرآن کا مطالعہ کیا اور انسان کو اختیار مند قرار دیا۔ اسی اختیار کو بروئے کار لاکر انسان فرش سے عرش تک پہنچتا ہے۔ انسان اسی اختیار کے بل بوتے پر اپنے مستقبل کو روشن کرتا ہے۔ اسی اختیار کی بنا پر انسان خوف وناامیدی کی تاریکیوں سے نکل کر ایک روشن دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اختیار ہی وہ سوچ ہے جس سے انسانی زندگی کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے:

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام؟
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خرسند
تقدیر کے پابند نباتات وجمادات
مومن فقط احکام الہٰی کا ہے پابند[۶]

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

اقبالؔ کے بعد اردو شاعری میں جون ایلیا توانا شخصیت نظر آتے ہیں جنھوں نے اس فلسفہ پر کافی توجہ دی اور اپنی شاعری میں اس فلسفے کو ایک خاص مقام و مرتبہ دیا۔ جبر وقدر جون ایلیا کی شاعری کا ایک اہم اور بنیادی موضوع ہے۔جون ایلیا کا فلسفیانہ شعور بہت دقیق اور وسیع تھا۔ انھوں نے ہر چیز کے بارے میں سوال اٹھا کر اس کے سامنے سوالیہ نشان لگا دیا۔ ہر فلسفے کو پڑھنے اور اپنی شاعری میں سمونے والے شخص کے لیے جبر وقدر سے نظر بچانا ممکن نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس فلسفے پر جگہ جگہ مواد ملتا ہے۔جون ایلیا کی شاعری میں اس فلسفے کو موضوع بنانا ان کی ذاتی و معاشرتی زندگی جو بہت پر آشوب گزری تھی اور ان کے مطالعے کا زیادہ عمل دخل ہے۔

جون ایلیا کی شاعری پر نظر دوڑائی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدترین جبریت کا شکار تھے۔اس حوالے سے جون ایلیا کی ساری شاعری جبر پر محیط ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جون ایلیا نے یہ مسلک شعوری طور پر اور مرضی و منشا کے مطابق اختیار کیا ہے:

مسلکِ جبر اختیار کرو(۷)

جون ایلیا انسان کو مجبور محض قرار دیتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ انسان کا اختیار کچھ بھی نہیں، جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے یہ دراصل پہلے ہی سے لکھا جا چکا ہے۔انسان وہی کچھ کرتا ہے جو کچھ اس کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔وہ خدا سے ایک قسم کا شکوہ کرتا ہے کہ خدا نے دوسروں کا لکھا ہوا بھیجا ہے۔یعنی جب انسان کو اس دنیا میں بھیجا گیا تو ساتھ ساتھ اس کی تقدیر بھی لکھی ہوئی بھیج دی:

جون لوح و قلم کے مالک نے
دوسروں کا لکھا ہوا بھیجا(۸)

جب لوح و قلم کے مالک نے دوسروں کا لکھا ہوا بھیجا تو اس میں انسان کی مختاری اور آزادی کی گنجائش کہاں بچتی ہے؟ جب سب کچھ لکھا ہوا ہے تو پھر یہ دنیا ایک تماشا معلوم ہوتی ہے۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کی زندگی کو ایک تماشا کی صورت دی۔جب وہ چاہے اپنی مرضی و منشا سے کردار داخل کرائے، جب چاہے کسی کردار کو نکال دے، جب چاہے کہانی کا رخ موڑ دے اور جب چاہے تماشا تمام کر دے ۔یہی انسانی زندگی کی حقیقت ہے انسان بس ایک ڈرامے یا تماشے کا کردار ہے اور اسٹیج پر یا لوگوں کے سامنے وہی کرتا ہے جو کچھ اسے بنایا گیا ہے۔وہ ان کے سامنے اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہیں کر سکتا:

یعنی جو کچھ ہے اک تماشا ہے
یعنی سب کھیل ہے مشیت کا[۹]

جون کی زندگی میں ایسا موڑ بھی آتا ہے کہ ان پر یہ بھید منکشف ہو جاتا ہے کہ انسانی زندگی تماشا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اصل میں یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، سب کچھ مشیت الٰہی کا پابند ہے ۔جو کچھ بھی ہو رہا ہے انسان کا اس میں کسی قسم کا بس نہیں چلتا۔ انسان لمحہ موجود سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتا جو اس کی قسمت میں لکھا گیا ہے وہ اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا، جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اور انسان بس دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ اس میں تبدیلی انسان کے لیے محال ہے:

میں ایک لمحہ موجود سے اِدھر نہ اُدھر
سو جو بھی ہے میرے لیے محال ہے شاید[۱۰]

جبر و قدر کے مسئلے پر اگر غور کیا جائے تو سب سے بڑا اور اہمیت کا حامل سوال یہ بنتا ہے کہ جب انسان کو پیدا کیا گیا تو کیا اس سے پوچھا گیا تھا، کیا اس کی پیدائش میں اس کا کوئی ارادہ، اختیار یا مرضی شامل تھی اور پھر جب دنیا میں انسان کو بھیجا گیا تو اس کو کس خاندان میں، کس ملک میں، کس خطے میں، کس قوم میں اور کس مذہب کے لوگوں میں بھیجا جائے؟ اس میں انسان کی مرضی اور مشیت تھی بھی کہ نہیں؟ پھر انسان کو جو سزا مل رہی ہے یہ کس بنیاد پر ہے، جب کہ انسان کی کچھ مرضی ہی نہیں ہے۔ دراصل یہ سزا انسان کے ہونے کی ہے۔ انسان ہے اس لیے اس کو سزا دی جاتی ہے اب اگر کوئی کہے کہ میں ہونا ہی نہیں چاہتا تو پھر سزا کیوں؟

اس میں ہو چکا اب کیا نہ چاہوں
سزا ہونے کی ہے، ہونا نہ چاہوں[۱۱]

جون ایلیا کا خیال ہے کہ انسان مشیت الٰہی کا مارا ہوا ہے۔ انسان کے سب کام اس کی مشیت پر منحصر ہیں۔ جب سب کچھ اس کی مشیت پر منحصر ہوا تو انسان ایک کٹھ پتلی بن جاتا ہے۔ وہ شطرنج کا ایک مہرا بن جاتا ہے جو شطرنج کھیلنے والے کی چال کے مطابق اپنی جگہ سے ہلتا اور مختلف مراحل سے گزرتا ہے:

مارا ہوں مشیت کا نہیں کچھ میری مرضی
یہ بھی تیرے قامت کی قیامت نے کہا تھا[۱۲]

جون ایلیا کا کہنا ہے کہ انسان دراصل زمین کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ زمین پر شعور کی آنکھ کھولتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کو اپنی پوری قدرت وطاقت کے ساتھ پیدا کرتا لیکن انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کا سودا آسمانوں میں ہو چکا ہے اور اب وہ ایک قسم کا غلام بن کر رہ گیا ہے کسی کے حکم اور مر ضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا:

مال بازارِ زمیں کا تھا جون
آسمانوں میں میرا سودا ہوا (۱۳)

کیا انسان کو اس بازار میں سجانے میں اس کی مرضی تھی ؟ کیا انسان ایک بے جان چیز ہے جو بازار کی زینت ہے ؟ اور پھر اگر اس کو اس بازار کی زینت بنایا ہی ہے تو بازار والوں ہی کے ہاتھوں بیچ دیا جاتا لیکن نہیں۔ انسان کا سودا آسمانوں میں ہو چکا ہے۔ یہاں پر بس وہ محض سجاوٹ اور سنگار کے لیے رکھا گیا ہے۔

جون ایلیا کی شاعری میں ایک ایسا موڑ بھی آجاتا ہے ، جب وہ تمام کائنات ، زندگی میں درپیش مسائل اور جو کچھ ہو چکا ہے اس پر غور کرتا ہے اور وہ خود کو ایسی خلا میں پاتا ہے جہاں انھیں سب کچھ بدترین جبر میں جکڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

شاعر ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہے جہاں اس کے دل میں منزل تک پہنچنے کی شدید آرزوئیں ہوتی ہیں۔ وہ دل میں ہزاروں حسرتوں کو پالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے خون جگر سے سیراب کر کے بڑا کرتا ہے لیکن اس کی امیدوں کا یہ شجر کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ شجر پھل دینے سے پہلے ہی سوکھ جاتا ہے اور وقت کی آندھیاں اس کو گرا کر مٹی کی خوراک بنا دیتے ہیں۔ دراصل اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی آرزوئیں ناتمام ہیں کیوں کہ اس کی قسمت کا لکھا ہوا کچھ اور ہی ہے یہ دراصل جبر ہی ہے کہ انسان کی آرزوئیں زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان کو زندگی دے کر اس پر سب سے بڑا جبر کیا۔ یہاں پر شاعر حال سے ماضی کی طرف چلا جاتا ہے اور ماضی کے گرد میں دبی کہانیوں پر غور کرتا ہے، جو واقعات رونما ہوتے ہیں انھیں سراسر جبر ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اب چاہے فرہاد کا جوئے شیر نکالنے کا واقعہ ہو یا اس کا شریں سے ملن کی بجائے عمر بھر کی جدائی کے رشتے کا تعلق ہو، اسے یہ تمام امور جبر ہی کے پابند معلوم ہوتے ہیں۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

دراصل یہ تمام واقعات اور افعال جبریت کے پابند تھے اور یہی ان کا مقصد تھا۔ یہاں پر شاعر جبر کو سمندر کی طلاطم خیز موجوں سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان طلاطم خیز اور طوفانی موجوں پر کسی کی قدرت اور سبقت ناممکن ہے۔ ایک کشتی جو سمندر میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ سمندر اس کے لیے گنجینہ گوہر ثابت ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ سمندر میں مدوجزر پیدا ہوتے ہیں۔ سمندر کی طلاطم خیز موجیں اس کشتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ کشتی میں رہنے والوں کو ان موجوں پر کچھ دسترس حاصل نہیں۔ انہی موجوں میں کشتی ڈوب جاتی ہے۔ یہی زندگی کا قصہ ہے۔ انسان کو جبریت کی طلاطم خیز موجوں پر کچھ بھی قدرت حاصل نہیں:

آرزوئیں نارسی کا جبر ہے
زندگی ہے زندگی کا جبر ہے
جبر جوئے شیر بھی شیریں بھی ہے
حسن بھی ہے حیلۂ سنگیں بھی ہے
فن کے حق میں حیلۂ سنگیں بھی ہے
موج خیز جبر میں ہم تہ نشیں
انتخاب موج پر قادر نہیں (۱۴)

آگے بڑھتے ہوئے شاعر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ہم تو نعرے لگاتے ہیں کہ انسانی زندگی جبریت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ انسان جبر کے قفس میں قید ہے جہاں پر وہ سانس بھی اپنی مرضی کے مطابق نہیں لے سکتا۔ یہ تو ہمارا نظریہ اور سوچ ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو انسان کی تخلیق اور روئے زمین پر اس کو بھیجنا ہی اصل جبر ہے باقی اگر اس کو آزادی بھی دی جائے تو کیا اس پہلے امر میں اس کی کوئی مرضی نہیں تھی۔ اس جبر کے بعد انسان کو تقدیر کا پابند بنایا گیا۔ اس کی زندگی کے بارے میں پہلے ہی کسی سفاک قلم نے اس کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا پیدا کرنا اور روئے زمین پر اسے اتارنے سے بھی بڑھ کر کوئی جبر ہو سکتا ہے۔ انسان کے لیے یہی جبر کافی ہے۔ یہاں شاعر بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس پہلے جبر سے ہی انسانی زندگی بڑی جبریت کا شکار ہے تو پھر کیوں اس کو مزید مجبور کر دیا گیا۔ یعنی جبر پر جبر ہے۔ ایک تو انسان ایک تاریک اور ہولناک قفس میں ہے اور اس پر پابہ زنجیر بھی۔ یہی المیہ شاعر کو بہت بے دردانہ اور ظالمانہ معلوم ہوتا ہے:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

کیوں ہمیں کردیا گیا مجبور
خود ہی بے اختیار تھے ہم تو(۱۵)

آگے بڑھتے ہوئے شاعر اپنی بات کو مزید واضح کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو جب تخلیق کیا گیا اور اس کو جنت میں بھیجا گیا تو اس کو شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے منع کیا گیا۔ اس کے باوجود وہ شجر کے قریب گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں سزا دی۔ دراصل یہ سزا پہلے ہی سے لکھی جاچکی تھی۔ مشیت الٰہی ہی کی وجہ سے حضرت آدمؑ شجر کے قریب گئے۔ آدمؑ کے بس میں کچھ نہیں تھا۔ کیا آدمؑ کو تخلیق کرتے وقت ان کی مرضی پوچھی گئی تھی؟ پھر جنت میں اس کو داخل کرنا اس کی مرضی ومنشا کے مطابق تھا؟ پھر اس شجر کے قریب ہونا اور جنت سے نکالنا، کیا یہ سب اس کی مرضی کے مطابق تھا؟ دنیا میں لاکر زندگی پر مجبور کرنا اس میں کہیں بھی اس کی مشیت یا رضامندی نہیں تھی دراصل یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ تھا۔

انسان کی پیدائش کے بعد جب اس نے شعور کی آنکھ کھولی ہوگی تو اس پر کیسی کیفیت گزری ہوگی۔ وہ جنون کی حد تک سوچتا رہا ہوگا۔ پھر جب اس پر یہ جبر ہوا کہ اسے روئے زمین پر اتارا گیا اور اسے اندازہ ہوا کہ میرا اختیار ہے بھی کہ نہیں تو اس طرح اس کی دیوانگی وحشت میں بدل گئی ہوگی۔ یہی جبریت اس وحشت کی آگ کو ہوا دیتی ہوئی اس میں بے تحاشا اضافہ کردیتی ہے اور یوں انسان کی زندگی ہمیشہ کے لیے سوگوار اور وحشت ناک بنتی گئی:

یہ مشیت تھی کہ آدمؑ کو سزا دی جائے
یعنی دیوانے کی وحشت کو ہوا دی جائے(۱۶)

جبریت کے حوالے سے جون ایلیا کی فکر کے دھارے بہت وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ انسانی زندگی یہاں تک کہ ذاتی زندگی کے بارے میں غور کرتا ہے تو اس کو تمام تعلقات، واقعات، رشتے، دوستی، محبت، سب کچھ مشیت ایزدی میں جکڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

جون ایلیا کے فکری دھارے سماج کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور وہ تصور کرتا ہے کہ ہم جس دنیا میں زندگی بسر کررہے ہیں دراصل یہ دنیا آشوب ناک ہے۔ یہاں انسان کو خوشی وراحت نصیب نہیں ہوتی۔ وہ چاہے لاکھ جتن کرلے لیکن خود کو مشیت ایزدی سے بچا نہیں سکتا۔ کیوں کہ انسان اپنی دنیا کا خدا نہیں ہے۔ وہ کسی عظیم طاقت کی غلامی میں ہے اور وہ عظیم طاقت ہر وقت اس پر حاوی رہتی ہے۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ہونا تو یہی چاہیے کہ جس زمین پر ہم رہ رہے ہیں ہم اس کے مالک ہوتے۔ ہم اپنی مرضی سے زندگی کو سنوارتے اور ہنسی خوشی زندگی گزارتے۔ صفحۂ زیست پر ہم اپنی تقدیر خود لکھتے تو بہت ہی اچھا ہوتا، لیکن نہیں انسان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے وہ اسیر جبر ہے بس وہ دیکھتا جائے کہ اس کی زندگی میں نہ جانے کس موڑ پر کیسا واقعہ رونما ہوتا ہے:

تم جس زمیں پر ہو میں اس کا خدا نہیں
پس سر بہ سر اذیت و آزار ہی رہو(۱۷)

دل کی دنیا کچھ اور ہی ہوتی
کیا کہیں اپنا بس چلا ہی نہیں(۱۸)

زندگی کسی کے بس میں نہیں ہے۔ انسان چاہے جو کچھ کر لے جتنے ہاتھ پیر مارے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ زندگی پر اس کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

ساحل پر بیٹھا ہوا شخص جو کشتی کے انتظار میں کھڑا ہوتا ہے کسی وجہ سے اس سے کشتی چھوٹ جاتی ہے اور وہ ساحل پر کھڑا ہو کر اس کشتی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس کے بس میں کچھ نہیں ہوتا یہی زندگی کا دستور ہے۔ انسان کی نگاہوں کے سامنے بہت سارے مناظر ایسے آتے ہیں کہ وہ اس طرح نہیں چاہتا جس طرح وہ اس کے سامنے ہو۔ انسان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ساحل پر کھڑے اس کشتی کو پر ملال نگاہوں سے دیکھتا ہے جو اب برص کے داغ کی صورت نظر آتی ہے:

کیا ہے گر زندگی کا بس نہ چلا
زندگی کب کسی کے بس میں ہے(۱۹)

زندگی کے اس پہلو پر گہرائی سے سوچتے ہوئے شاعر پر منکشف ہو جاتا ہے کہ انسان کے ذہن میں دنیا کے متعلق ایک یوٹوپیائی تصور ہوتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا ہے اور اس کو بہتر بنانے کے لیے ہزاروں جتن کرتا ہے۔ لیکن انسان کی زندگی اس طرح ہرگز نہیں بنتی جس طرح وہ چاہتا ہے۔

جون ایلیا محبتوں کا شاعر ہے۔ محبت میں فراق ان کی شاعری کا اہم ترین محرک ہے۔ محبت کے لطیف جذبے کو جون ایلیا اسیر جبر تصور کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انسان محبت تو کر سکتا ہے لیکن اس محبت میں سرخرو

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ہونا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ دراصل محبت بھی بے اختیار جذبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جون ایلیا بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ اے میرے محبوب اگر تو مجھے نہیں ملا تو کوئی بات نہیں یہ میرے لیے ملال کی بات نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں کہ میرا عشق، میری محبت لاحاصل ہے۔ یہ سب تو بس مشیت اور قسمت کا کھیل ہے۔ انسان کا خود پر اختیار نہیں ہے تو پھر دوسروں کو اپنی زندگی میں شامل کرنا اور زندگی کا حصہ بنانا تو بالکل محال ہے۔ یہی انداز ان کی شاعری کو انفرادیت بخشتا ہے:

نہ ہوا تو مجھے نصیب تو کیا
میں ہی اپنے نہ تھا مقدر میں[۲۰]

جون ایلیا کے ہاں جبریت صرف دردوغم کی کیفیات تک محدود نہیں۔ اب تک ان کی جبریت سے متعلق جو کہا گیا اس میں ایک بات نمایاں ہے کہ انسان کی مرضی کے مطابق کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس سے انسان رنجیدہ ہو جاتا ہے وہ یاس و ناامیدی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جون ایلیا یہ بھی کہتے ہیں کہ یہی لحات بعض اوقات انسان کے لیے خوشی و مسرت کا باعث بھی بنتے ہیں۔ دراصل یہ خوشی و مسرت کے لحات بھی جبر ہی ہے۔ تھوڑی خوشی، امید اور سرمستی کے خوش گوار جھونکے پھر سے دسمبر کی سرد ترین ہوا بن جاتے ہیں۔

جون ایلیا کا ماننا ہے کہ انسان کو اختیار نامی چیز سے محروم رکھا گیا ہے اور جو لوگ اختیار کا دعویٰ کرتے ہیں اس کے جواب میں اس کا کہنا ہے کہ اگر انسان کو کچھ اختیار دیا گیا ہے تو وہ بھی محدود بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مختاری کو جبریت کے دائرے میں بند کر دیا گیا ہے۔ مذہب کے نام پر، معاشرتی اقدار و قوانین کے نام پر یہ اختیار پھر سے اسیر جبر معلوم ہوتا ہے۔ انسان بس تماشا کرنے کے لیے کھڑا ہے:

ہنگامہ نشاطِ طبیعت بھی جبر ہے
شاید کہ یہ اختیار کی حالت بھی جبر ہے[۲۱]
مختاری کے یہ لب "سلونا" جبر عجب تر ٹھہرا ہے
پہچان غیرت برپا ہے اللہ ہو کے باڑے میں[۲۲]

انسان پر جو مہربانیاں اور کرم ہوا ہے اور انسان خدا سے عنایت و مہربانی کا خواہش مند ہے۔ دراصل یہ تمام تر صورت حال جون ایلیا کے مطابق جبر ہی ہے:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

آرزو کی عنایات، التفات، جبر ہے
اور نازِ التفات و عنایت بھی جبر ہے[۲۳]

اس طرح انسان کے دل میں کثرت سے خواہشات جنم لیتی ہیں۔ دراصل انسان کے دل میں امنگوں اور خواہشات کا ابھرنا بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ وہ ایسا سوچنے پر مجبور ہے۔ جون ایلیا کی شاعری سے جو بات سامنے آتی ہے اس کے روسے انسان کے دل میں یہ خواہشات جس زور و شور سے موجزن ہوتی ہیں یہ بھی جبر ہی ہے:

تھا تو ہی جبر فزوں شوق اپنا تھا جو وہ
یہ اپنا طرزِ حسن مروت بھی جبر ہے[۲۴]

اس جبریت میں جکڑی ہوئی کائنات اور انسان کے بارے میں انسان سوچتا ہے تو اس کے لبوں پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ صادر ہوتا ہے کہ اے اللہ! تم نے ہمیں اتنا مجبور کیوں بنایا۔ وہ اپنی تقدیر میں تبدیلی چاہتا ہے مگر اس کو ہرگز معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو لکھا ہے۔ وہ اگر اس میں تبدیلی کرنا چاہے تو پھر وہ اپنے قول و فعل اور کام کو پورا نہیں کر پائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کا مرنا اتوار کے دن لکھا ہے اور ہفتے کو اس کی روح قبض کرے تو یہ کذب ہو گا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی ذات سے منسوب کرنا ایک عظیم گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جون کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی مشیت جبر ہی تو ہے:

شکوہ خدا غریب سے تم کو ہے، جاؤ بھی
اس کے لیے تو اس کی مشیت بھی جبر ہے[۲۵]

یہاں پر یہ بات واضح ہو کہ اگر خدا کسی کی موت کا دن متعین کرتا ہے اور اس میں تبدیلی کرنا کذب ٹھہرتا ہے تو اس کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ اگر خدا کسی کی موت کا دن اتوار متعین کر سکتا ہے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ کسی بھی دن کا انتخاب کرے۔ جب وہ اتوار کا دن منتخب کرتا ہے تو ہفتے یا پیر کے دن اس کی موت متعین کرنا اس کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔

جون ایلیا کی شاعری میں "جبر ہے" ردیف والی غزل کو جبریت کے حوالے سے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس غزل میں جون ایلیا نے جبریت کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا ہے۔ یہیں ان کی شاعری میں جبریت عروج پر نظر آتی ہے۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

اس غزل کے آخری شعر میں جون ایلیا اپنی باتوں کا یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ پہلے تو وہ جبریت کا تذکرہ کرتا ہے اور آخر میں وہ کہتے ہیں کہ انسان سے ہر چیز کا حساب لیا جائے گا۔ جو کام اس نے کیا ہے خواہ وہ نیکی ہو یا بدی سب کا حساب لیا جائے گا۔ دراصل یہ افعال جو انسان انجام دیتا ہے خود انسان کے اختیار میں نہیں۔ اگر انسان نیک ہے اور وہ نیکی کرتا ہے تو یہ سب اس کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔ اب اگر کوئی انسان گناہ گار بنتا ہے اور وہ گناہ کرتا ہے یہ بھی اس کی مرضی کے مطابق نہیں بل کہ مشیت الٰہی کی وجہ سے ہے تو پھر سزا و جزا کا کیا حساب ہو گا۔ اگر حساب کتاب ہو گا تو یہ بھی جبریت ہے۔ انسان کو اس کے ان افعال پر جس میں اس کا اختیار کچھ نہیں ہے سزا ملنا بدترین جبر ہے:

ہم سے ہماری جنبش لب کا حساب کیا
ہے شکر جبر اور شکایت بھی جبر ہے(۲۶)

سماجی رویوں اور ذاتی زندگی کے بارے میں جب جبر کی بات آتی ہے تو یہاں ایک دل سوزسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کی تمام ضروریات اس کے لیے جبر کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ غور کیا جائے تو یہ ضروریات حقیقت میں جبر ہی تو ہے۔ ہمیں ان ضروریات کے لیے مجبور کیا گیا ہے اس لیے جون ایلیا کہتا ہے:

یہ مرا جبر ہے ضرورت ہے
میں کہ نر ہوں یہ مادہ صورت ہے(۲۷)

جوؔن ایلیا کی شاعری میں جبریت ایک سحر انگیز فضا میں تب داخل ہوتا ہے جب وہ تصور وقت اور جبریت کو ملا دیتے ہیں۔ جون انسانی زندگی سمیت باقی اشیا کو بھی اسیر جبر مانتے ہیں۔ وقت خود اسیر جبر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وقت گزر گیا۔ دراصل یہ وقت کی مشیت ہے کہ وہ گزر جائے وقت کا پیدا کرنا ہی جبر ہے۔ وقت خود ایک پابند چیز ہے جو اپنی فطرت اور مشیت کے مطابق گزرتا رہتا ہے:

وقت شاید کہ آپ اپنا جبر ہے
اس پہ تہمت لگانا فارہہ(۲۸)

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

وقت کا کوئی اعتبار نہیں۔ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ وقت اس کے لیے خوشیاں لائے گا یا دکھ۔ کیا یہ وقت انسان کے لیے مفید ثابت ہو گا یا بے سود؟ وقت ایک تیز رفتار گھوڑا ہے جو اپنے پیروں تلے ہر چیز کو روندتا ہو اچلا جاتا ہے۔ انسان ہزاروں کوشش کرے، مگر اس تیز رفتار گھوڑے کو قابو میں نہیں لا سکتا:

کیا کریں کوئی اختیار نہیں
اپنا گھر ہم کو سازگار نہیں
اب کسی کا بھی انتظار نہیں
وقت کا کوئی اعتبار نہیں(۲۹)

جون ایلیا متعدد مقامات پر وقت اور جبر کا رستہ جوڑتے ہیں۔ تو کہیں سماج سے جبر کا تعلق جوڑتے ہیں، کہیں عشق و محبت کے لطیف جذبے کو جبر و مشیت الٰہی کا پابند گردانتے ہیں۔ جون ایلیا کے ہاں جبر ایک متنوع صورت اختیار کر گیا ہے جس کا زندگی کے ہر پہلو میں الگ الگ انداز میں اظہار ہوتا ہے۔

بدترین جبر کے شکار جون ایلیا کی زندگی میں ایک ایسا موڑ ضرور آتا ہے کہ وہ اس اسیر جبر نظام کو قبول کرنے لگتا ہے۔ وہ رضامند ہو جاتا ہے کہ یہی جبر انسان کے لیے باعث دکھ ہے۔ لیکن یہ جبر انسان کے لیے باعث مسرت اور اس کی زندگی سنوارنے کے لیے بھی سازگار ثابت ہو سکتا ہے۔

جون ایلیا کہیں کہیں جزوی اختیار کا قائل ہو جاتا ہے لیکن یہ اختیار جبر ہی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ ان کی زندگی جو مدتوں سے بے قراری اور بے اطمینانی میں گزر رہی تھی قدرے اطمینان سے متصف ہو جاتی ہے:

میں کیوں بھلا قضا و قدر سے برا بنوں
ہے جو بھی انتظام خدایا درست ہے(۳۰)

جون ایلیا نے نظم "دو آوازیں" میں عوام پر جبر مسلط کرنے والوں کے پھول کھول کر رکھ دیے ہیں جو جبر کی آڑ میں ہمارا حق چھین رہے ہیں:

مشیت حق سے ہو کے غافل خود اپنی قسمت سے لڑ رہے ہیں
یہ لوگ پاگل نہیں تو کیا ہے؟(۳۱)

نظم کے اس ٹکڑے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدا میں جون ایلیا بدترین جبریت کا شکار نہیں تھے بل کہ وہ تو جبریت سے انکار کرنے والے معلوم ہوتے ہیں اور جبریت کے نام پر لوگوں کو ڈرانے والوں کے خلاف لکھتا ہے اور ان کی سازشوں کی پردہ کشائی کرتا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ جون ایلیا "جبریہ "زنجیروں میں ایسے جکڑ گئے کہ اس کے پھندے سے نجات حاصل نہ کرپائے۔ ان کی شاعری مجموعی طور پر بدترین جبر سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔ ان کے ہاں قدر واختیار کے لیے کچھ جگہ نہیں بچتی۔ وہ صرف اور صرف جبر کا قائل نظر آتا ہے۔ یہی ان کے شاعرانہ خیالات کا مجموعی تاثر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسئلہ جبر وقدر مشمولہ: جبر وقدر (مجموعہ مقالات) از ڈاکٹر وحید عشرت، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۸۹

۲۔ ڈاکٹر عبدالشکور احسن، جبر وقدر، مشمولہ: جبر وقدر (مجموعۂ مقالات) از ڈاکٹر وحید عشرت، محولہ بالا، ص ۴۳۷

۳۔ ایضاً، ص۴۳۷

۴۔ ایضاً، ص۴۳۸

۵۔ ایضاً، ص۴۳۶

۶۔ ایضاً، ص۴۵۵

۷۔ جون ایلیا، لیکن، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۲ء، ص۲۳۱

۸۔ جون ایلیا، گویا، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۲ء، ص۴۶

۹۔ جون ایلیا، لیکن، محولہ بالا، ص۱۷۴

۱۰۔ جون ایلیا، گویا، محولہ بالا، ص۵۲

۱۱۔ جون ایلیا، گمان، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۲ء، ص۸۸

۱۲۔ ایضاً، ص۱۸۸

۱۳۔ جون ایلیا، شاید، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۲، ص۲۵۴

۱۴۔ جون ایلیا، گمان، محولہ بالا، ص۲۱۰

۱۵۔ جون ایلیا، شاید، محولہ بالا، ص ۷۰

۱۶۔ ایضاً، ص ۷۰

۱۷۔ ایضاً، ص۲۱۸

۱۸۔ جون ایلیا، یعنی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۲ء، ص۴۹

۱۹۔ جون ایلیا، گمان، محولہ بالا، ص۱۷

۲۰۔ جون ایلیا، یعنی، محولہ بالا، ص۴۹

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۰

۲۲۔ جون ایلیا، گمان، محولہ بالا، ص۴۹

۲۳۔ ایضاً، ص ۵۰

۲۴۔ جون ایلیا، گویا، محولہ بالا، ص ۲۵۳

۲۵۔ جون ایلیا، شاید، محولہ بالا، ص

۲۶۔ جون ایلیا، یعنی، محولہ بالا، ص ۱۷۴

۲۷۔ جون ایلیا، لیکن، محولہ بالا، ص۳۹، ۴۰، ۴۱

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۲۹۔ جون ایلیا، گمان، محولہ بالا، ص۱۲۶

۳۰۔ جون یلیا، شاید، محولہ بالا، ص۲۲۱

۳۱۔ جون ایلیا، گویا، محولہ بالا، ص ۳۵